معاہدہ عمرانی کی تشکیل جدید کا مسئلہ

(شاہ ولی اللہ کے افکار کی روشنی میں)

پروفیسر محمد عارف خان ☆

معاہدہ عمرانی کیا ہے ؟

حکماء عمرانیات کے نزدیک تحفظ حیات و ذات کو درپیش چیلنج نے پہلی دفعہ انسانوں کو ایک ضابطے پر متفق اور از خود اس کی پابندی کا شعوری جذبہ عطا کیا- حکماء نے اس ضابطے کو "معاہدہ عمرانی" کہا ہے - معاہدہ عمرانی کیا ہے ؟ اور اس کی ضرورت کب اور کیوں پیش آئی؟ تاریخ کے مختلف ادوار میں حکماء اور مفکرین نے اپنے اپنے معروضی حالات کی مناسبت سے اس پر گراں قدر خیالات ، تاریخی ورثے کے طور پر چھوڑے ہیں - نئے معاہدہ عمرانی کی ضرورت کے حوالے سے مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ جب پوری معاشرت اپنی اصل بنیادوں سے ہٹ جائے - ساری مثبت اقدار برباد ہو جائیں، یہاں تک کہ تحفظ حیات و ذات کا مسئلہ درپیش ہو جائے تو یہ جان لینے میں وقت پیش نہیں آتی کہ معاشرت ٹوٹ پھوٹ کے عمل سے گذر رہی ہے اور ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جانے کے مقام پر پہنچنے کو ہے- ایسے موقع

☆ گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج- میر پور آزاد کشمیر

پر قوم کے اہل دانش و فکر آگے بڑھ کر نئے ضابطوں اور نئے رویوں کی تشکیل کا بیڑہ اٹھاتے ہیں -انھی نئے ضابطوں کو " معاہدہ عمرانی" کہا جاتا ہے - ہابس، جسے بعض خصوصاً اہل یورپ اس نظریئے کا بانی سمجھتے ہیں، اپنی کتاب(۱) میں انسان کے سماجی ارتقاء کی باقاعدہ تاریخ کی بنیاد ایک " معاہدہ عمرانی" کو قرار دیتا ہے - یہاں یہ بات پیش نظر رکھنی ضروری ہے کہ جب ہابس نے انسان کے سماجی ارتقاء کا یہ مفروضہ پیش کر کے اپنا " معاہدہ عمرانی" کا نظریہ پیش کیا تو یورپ میں کلیسا کا قائم کردہ معاشرہ انتشار کا شکار ہو کر تحفظ حیات و ذات کا فریضہ پورا کرنے میں ناکام ہو گیا تھا - کلیسا کی قائم کردہ روایات و اقدار بے نتیجہ ہو چکی تھیں - ان حالات میں ہابس نے نیا معاہدہ عمرانی پیش کیا جس نے یورپ میں کامیابی کے ساتھ نتائج پیدا کیئے -

پاکستان کی موجودہ معاشرت :

سوال یہ ہے کہ کیا ہماری موجودہ معاشرت کسی نئے معاہدہ عمرانی کی متقاضی ہے؟ ایک طائرانہ جائزے سے ہی جواب میسّر آجاتا ہے - یہ نتیجہ اخذ کرنا کسی بھی دانشور کے لئے مشکل نہیں رہا کہ ہماری جغرافیائی، مذہبی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، تہذیبی اور اخلاقی اقدارو ضوابط جنہیں " معاہدہ عمرانی" کا نام دیا جاتا ہے، مکمل طور پر برباد ہو چکی ہیں - پوری معاشرت مکمل طور پر ٹوٹ پھوٹ (crash) چکی ہے - ٹوٹ پھوٹ یا بگاڑ معمولی نوعیت کا ہو تو معاشرے کے اندر سے فطری طور پر نمودار ہونے والی اصلاحی کوششوں سے بہتر کرنے کی سعی کی جاتی ہے - مکمل طور پر کریش(crash) سوسائٹی میں اس طرح کی اصلاحی کوششیں بے سود ٹھہرتی ہیں - اس موقع پر قوم کے اہل دانش و فکر نئی قدروں، نئے رویوں کی صورت گری کے لئے میدان میں آنے پر مجبور ہوتے ہیں - علمی اصطلاح میں اسے معاہدہ عمرانی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے - پاکستانی معاشرت کے لئے ایک نئے معاہدہ عمرانی کی اشد ضرورت ہے - اہل فکر و دانش کو آگے بڑھ کر اس نازک موقع پر اپنا کردار ادا کرنا ہوگا- جغرافیائی سرحدوں کا علاقائی سوچ کے پروان چڑھنے کی بناء پر پہلے دن

سے قوم کو ایک چیلنج درپیش رہا ہے - سماجی سطح پر انحطاط و زوال پذیر اقدار و رویوں نے اس عمل کو اور پیچیدہ کر دیا ہے - ذیل میں ایسے ہی ایک موقع پر آگے بڑھ کر یہ فریضہ ادا کرنے والی بر صغیر کی نامور شخصیت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نظریہ معاہدہ عمرانی کا موجودہ حالت کے تناظر میں ایک تجزیاتی اور تنقیدی مطالعہ مقصود ہے تاکہ مستقبل کے کسی نئے معاہدہ عمرانی کے لئے ہم ماضی کی نامور ہستیوں کے افکار سے روشنی حاصل کر سکیں- زمانہ حال کے مسلمانوں کو جن نامور ہستیوں کے مطالعے کی علامہ محمد اقبالؒ نے تلقین کی تھی - ان میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی شامل ہیں -علامہ اقبال سیّد محمد سعید الدین جعفری کے نام خط میں لکھتے ہیں :-

> " میری رائے میں بہ حیثیت مجموعی زمانہ حال کے مسلمانوں کو امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا مطالعہ کرنا چاہیئے "(۲)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی - مختصر حالات زندگی

قطب الدین احمد المعروف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۱۷۰۳ء (۱۱۱۴ھ) کو پیدا ہوئے- شجرہ نسب عمر فاروقؓ سے جا کر ملتا ہے(۳) - شاہ ولی اللہ کے حالاتِ زندگی پوری طرح محفوظ ہیں - ولادت سے لے کر تعلیم اور پھر نکاح ، سفر حرمین شریف، وہاں سے واپسی، مسلک و عقیدہ، شاگرد و تلامذہ اور تصنیف و تالیف کے احوال مختلف حوالوں سے موجود ہیں- مولانا محمود احمد برکاتی نے حیات شاہ ولی اللہ کے باقاعدہ سنین ترتیب دیئے ہیں(۴) - شاہ ولی اللہ کی تمام کتب کا صحیح اندازہ ابھی نہیں ہو سکا - بھارت میں اس پر کام ہو رہا ہے - بہت سی کتب ابھی زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکیں - مولانا محمد منظورالوجیدی مترجم "حجتہ اللہ البالغہ" کے نزدیک شاہ صاحب کی کتب کی تعداد سو سے زائد ہے - جن میں سے پچاس کے قریب معلوم ہو سکی ہیں - جبکہ مولانا محمود احمد برکاتی نے اکسٹھ کتب کی تفصیلات مہیا کی ہیں- "معاہدہ عمرانی" کے حوالے سے شاہ صاحب کی اہم ترین کتاب " حجتہ اللہ البالغہ "ہے - جبکہ "البدور البازغہ" اور چند دوسری کتب میں ضمناً اس موضوع کو زیر بحث

لاتے ہیں - زیر نظر مطالعے میں "حجۃ اللہ البالغہ" ہی بنیادی ماخذ کے طور پر پیش نظر ہے -

شاہ ولی اللہؒ کے معاہدہ عمرانی کا پس منظر :

تاریخی تجزیئے کے حوالے سے شاہ ولی اللہ اپنا نظریہ معاہدہ عمرانی ایسے حالات میں تخلیق کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں - جب برصغیر کا پورا معاشرہ اپنی اصل چھوڑ چکا تھا - صدیوں کی مغلیہ سلطنت زوال آمادہ تھی - زوال کے پس منظر میں وہ سب کچھ نمایاں ہونا شروع ہو چکا تھا جو زوال کی لازمی شرائط ہیں - سلطنت مغلیہ کا زوال اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے ساتھ تیزی سے شروع ہو گیا - یقیناً زوال آمادہ اسباب عالمگیر دور میں مکمل ہو چکے تھے - مورخین نے کئی اسباب بیان کئے ہیں(۵) - اشتیاق قریشی اس صورت حال کا ایک پہلو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

> "اس طرح امور تنقیح طلب الجھ کر رہ گئے اور مسلمانوں کے اپنے گھر میں پھوٹ پڑ گئی- وہ اپنے تمام وسائل کو مجتمع نہیں کر سکے - فی الحقیقت مسلمان ایک دوسرے سے ادنی وفاداریوں کے لئے جنگ کر رہے تھے اور ایک جھنڈے کے نیچے جمع نہیں ہو سکتے تھے- ان کی سلطنت کے ضیاع اور ان پر مصائب کے ہجوم کا ایک جزوی سبب یہ تھا کہ وہ اپنے درمیان کوئی مفاہمت پیدا نہیں کر سکے "-(۶)

فکر ہابس کے مطابق لوگوں نے تحفظ ذات کے لئے جو اختیارات ایک مطلق العنان شخص کو سونپ رکھے تھے - وہ نتیجہ خیز نہیں رہے تھے - بعینہ اٹھارویں صدی میں شاہ صاحب کو برصغیر میں ایسی حالت کا سامنا تھا- طباطبائی کے حوالے سے اشتیاق قریشی لکھتے ہیں :-

> " اٹھارویں صدی عیسوی میں بالکل ہی سطحی مشاہدہ بھی یہ دیکھ سکتا تھا کہ برعظیم پر مسلمانوں کی گرفت باقی نہیں رہی تھی- جہاں کہیں مرہٹوں

کے حملے ہوتے تھے ان سے ایک اوسط درجے کے مسلمانوں پر یہ دردناک حقیقت واضح ہو جاتی تھی کہ اب اس کی املاک، اس کی زندگی اور حتیٰ کہ اس کی عزت و آبرو بھی محفوظ نہیں رہی تھی "(۷)

شاہ صاحب کے سامنے جو معاشرہ اپنی ساری قدروں سمیت زوال آمادہ تھا - اس کے عروج کی بنیادوں میں شامل اہم نکات کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے :-

۱- رواداری عامہ :- مغلیہ سلطنت کے تحت تمام مذاہب و اقوام میں رواداری کا ایک مضبوط وصف موجود تھا - یہ وصف بطور قانون نہیں، بطور قدر(value) تھا- بادشاہ و امراء اس پر کھلے دل اور پوری نیک نیتی سے عمل کرتے تھے - سو یہی وصف عوام میں پیدا ہوا- ہندوؤں ، مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے درمیان یہ اصول ایک مضبوط معاشرتی وصف و قدر کی حیثیت اختیار کر گیا تھا- اورنگ زیب عالمگیر کے برسر اقتدار آتے ہی اس معاشرتی وصف و قدر میں رخنہ اندازی شروع ہو گئی - اس کا بنیادی سبب عالمگیر اور داراشکوہ میں ولیعہدی پر جنگ و جدل اور ان کا نظریاتی اختلاف تھا - عالمگیر راسخ الاعتقادی رجحان کی طرف مائل اور اسی نعرے کی بنیاد پر بادشاہ بنا تھا- اشتیاق قریشی لکھتے ہیں :-

" یہ بالکل صحیح ہے کہ راسخ الاعتقاد جماعت نے اپنے تفوق پر زیادہ اصرار کیا اور اپنے فتح کے لمحوں میں تقاضائے وقت کے مطابق احتیاط سے کام نہیں لیا "(۸) -

۲- انصاف عامہ :- انصاف کسی بھی مضبوط و فلاحی مملکت کی بنیاد ہے - راسخ الاعتقادی کی اس لہر میں انصاف کے نظام پر حملے شروع ہو گئے - اہم مناصب پر فائز لوگوں کو ہٹا کر اپنے افراد کو تعینات کرنے کی پرزور کوششیں ہندوؤں اور راسخ الاعتقادی سے باہر مسلمانوں کو معاشی، معاشرتی اور سیاسی لحاظ سے عدم تحفظ میں مبتلا کرنا انصاف کے عمل کو دھندلا کرنے کی عملی بنیادیں تھیں- گو عالمگیر نے اس روش کو اصولی لحاظ سے مسترد کر

دیا(۹)۔ مگر اس طرح کا ایک رجحان معاشرے میں نمو پا چکا تھا۔ جس نے آہستہ آہستہ انتشار کی ہمہ جہتی شکلیں اختیار کیں۔

۳۔ فرقہ ورانہ جذبات کی پرورش :- راسخ الاعتقادی کا دوسرا نتیجہ مسلمانوں میں داخلی طور پر فرقہ ورانہ ہم آہنگی بھی ختم ہونے لگی۔ اس کا اثر دوسرے مذاہب پر بھی پڑا۔ سنی اور شیعہ تنازعہ اس دور میں بڑی شدت سے ابھرا۔ ہندوؤں کے خلاف متشددانہ روّیہ ہندو مسلم ٹکراؤ کا باعث بنا۔ اور یوں سلطنت مغلیہ کا وہ مقام و نوعیت، جو ما قبل تھی ، جس کے مطابق تمام اقوام سلطنت کو اپنے تحفظ اور اپنی امیدوں کا مرکز سمجھتی تھیں ختم ہوگیا۔ یہی وہ اہم تاریخی موڑ تھا جہاں سے برصغیر کی اقوام کے درمیان جاری معاہدہ عمرانی کی افادیت ختم ہونے لگی ۔

۴۔ تصوف کے اثرات میں کمی : - برصغیر پاک و ہند میں اسلام صوفیاء کا عطیّہ ہے۔ اس پر اکثر و بیشتر مورخین متفق ہیں - برصغیر میں مسلمانوں کی زندگی اور دوسرے مذاہب پر صوفیاء نے گہرے اثرات مرتب کئے ہیں - جب طریقت کے سلسلوں پر عمل کی بجائے ان پر مناظرانہ بحث و جدل پر زیادہ زور دیا جانے لگا۔ وحدت الوجود اور حدت الشہود کی صوفیانہ اصطلاحوں کے تحت منطقی و فلسفیانہ موشگافیاں اور وہ بھی کم درجے کے صوفی یا عالم حضرات نے شروع کیں تو تصوف کا وہ اثر، جو ایک مخلوط اور انسان دوست معاشرہ بنانے میں ضروری تھا، ختم ہونے لگا۔ گویا معاشرے کی یہ روحانی اساس بھی دم توڑنے لگی۔ پروفیسر عزیز احمد لکھتے ہیں :-

> "اٹھارویں صدی کا آغاز ہوتے ہوئے مغلیہ دور کے دو بڑے صوفی سلسلے نقشبندی اور قادری اپنی روحانی فعالیت کھو چکے تھے - تصوّف پر اب اتنا اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جتنا شیخ احمد سرہندی کے زمانے میں"(۱۰)۔

اشتیاق قریشی رقمطراز ہیں :-

" سلطنت کا زوال معاشرتی نظام کی فرسودگی کا نتیجہ تھا اور یہ فرسودگی اس معاشرے کی اخلاقی تباہی کا نتیجہ تھی جو خود غرضانہ کوتاہ بینی سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکتا تھا "(۱۱) -

درج بالا الفاظ و مفہوم کا عکس ہم اگر اپنے معاشرے پر ڈالیں تو معنوی لحاظ سے دونوں کی نوعیت یکساں ہے - سو انہیں حالات میں قوم کے اہل دانش و فکر نئے نصب العین اور اس کے حصول کے لئے نئے معاہدہ عمرانی کی بنیادیں تلاش کرتے ہیں- ایسے ہی موقع پر شاہ ولی اللہ سامنے آئے - جبکہ زمانہ آج پھر کسی شاہ ولی اللہ کی تلاش میں ہے -

شاہ ولی اللہ کا نظریہ معاہدہ عمرانی

شاہ ولی اللہ نے نظریہ معاہدہ عمرانی کو اپنی شہرہ آفاق تصنیف " حجۃ اللہ البالغہ " میں ایک مخصوص عمرانی اصطلاح " ارتفاقات " مبحث سوم کے تحت بیان کیا ہے(۱۲) - ارتفاق لغوی معنی کے لحاظ سے رفق مادے پر ہے - معنی نفع دنیا، مدد کرنا، نرمی اور حکمت سے پیش آنا اور ساتھ ہونا ہے(۱۳) - شارحین حجۃ اللہ البالغہ نے اس کے کئی معنی بیان کئے ہیں - زیر مطالعہ نسخہ میں صاحب ترجمہ ارتفاق و ارتفاقات کا ترجمہ نفس مضمون کے حوالے سے کرتے ہیں- تدبیرات نافعہ(۱۴) ، معاشی فوائد(۱۵)، تدابیر معاشیہ کی باتوں(۱۶) وغیرہ کے معنوں میں استعمال کیا ہے - "اسلامی کلچر" میں اس کا ترجمہ " مراتب " کیا گیا ہے(۱۷) - پروفیسر محمد سرور " ارتفاقات " کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

" ہر نوع کو اپنے نوعی تقاضوں کی تکمیل کے لئے " طبعی الہامات " سے نوازا گیا ہے-لیکن اس سلسلے میں نوع انسان کو اپنی ضرورتوں کی تحصیل اور اس میں مزید آسانیاں پیدا کرنے کے لئے اس کے علاوہ خصوصی

الہامات سے بھی نوازا گیا ہے - ان الہامات کا ظہور جن عملی پیرایوں میں ہوتا ہے ، ان کا نام ارتفاقات ہے "(۱۸)-

ایک اور شارح ولی اللہی بشیر احمد نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے - ان کے نزدیک انسان اس دنیا میں زندگی بسر کرتا ہے تو اسے دو طرح کی دقتیں پیش آتی ہیں- اول وہ روزمرہ کے کاموں میں بعض رکاوٹیں پاتا ہے ---- دوم وہ زندگی کے مسئلوں پر غور کرتا ہے تو اسے بعض گتھیاں سلجھانا پڑتی ہیں ---- عقلمند لوگوں نے ان مشکلات کے آسان حل دریافت کئے ہیں اور دریافت کرتے رہتے ہیں - معاشی اور فکری مشکلات پر آسانی سے عبور حاصل کرلینے کے ان طریقوں کو ارتفاقات یا قرافق کہتے ہیں - ارتفاق کا مادہ رفق ہے جس کے معنی نرمی سے کام لینے کے ہیں ، اس طرح ارتفاقات کی دو قسمیں بن گئی ہیں - ارتفاقات معاشیہ اور ارتفاقات الٰہیہ - انسان کو کھانے، پینے، رہنے سہنے کے سلسلے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں ، ان کے حل کے طریقوں کے نام ارتفاقات معاشیہ ہے(۱۹) ---- اور اعلیٰ دماغ والے لوگ کائنات کے نظام کو سمجھنے اور اپنے خیالات کو صاف کرنے میں عمریں صرف کرتے ہیں اور سوچ و بچار کے نہایت قیمتی نتائج اپنے بعد آنے والی نسلوں کے لئے چھوڑ گئے ہیں - ان کو ارتفاقات الٰہیہ کہتے ہیں(۲۰)-

الغرض " ارتفاقات رابع " کے تحت شاہ ولی اللہ اپنا فلسفہ عمرانیات بیان کرتے ہیں- حکماء عمرانیات کی طرح مدارج و ارتقاء کی تمثیل پر اسے خصوصی اصطلاح کے طور پر استعمال کرتے ہیں - کائنات کے نظریہ ارتقاء کے مطابق(۲۱) اپنا عمرانی و سماجی فلسفہ ترتیب دیتے ہیں- وہ مخلوقات کے مدارج تخلیق پر عمرانی مدارج کی بنیاد رکھتے ہوئے لکھتے ہیں :-

" انسانی معاشرہ کے ابتدائی درجے میں اجتماعی اداروں کی تشکیل جانوروں کے اجتماع سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتی - فرق اتنا ہے کہ حیوانات میں یہ ارتفاق بطور اجمال پایا جاتا تھا- انسانوں میں آکر یہ پوری طرح نشوونما

پاتا ہے - جس کی وجہ سے معاشرہ اپنی اس ابتدائی شکل میں حیوانات کے اجتماع کی بہ نسبت زیادہ بہتر اور بلند درجہ ہوتا ہے "(۲۲) -

شاہ صاحب نے معاشرے کے ارتقاء کو چار مدارج یا چار مراتب یا چار منزلوں میں تقسیم کیا ہے - ان کے نزدیک ہر انسانی گروہ میں پہلی منزل کے بعد دوسری منزل آتی ہے - بتدریج انسانی گروہ ارتفاق چہارم کی منزل حاصل کرتا ہے - ارتفاقات کی یہ منازل انسان سے مخصوص ہیں - دوسری کوئی جنس اس میں شریک نہیں- اس کی وضاحت شاہ ولی اللہ نے بحث ارتفاقات سے پہلے کر دی اور انسان کی تخلیق اور انسان و حیوان کے نوعی فرق کو بیان کیا - یہ نوعی فرق تین باتوں سے امتیاز ہے - (۱) رائے کلی ، (۲) ظرافت و لطافت ، (۳) ارباب دانش و بصیرت(۲۳) -

ارتفاق اوّل :-

شاہ ولی اللہ کے نزدیک یہ معاشرے کی ابتدائی شکل ہے - ہر انسانی گروہ ابتدائی طور پر اس منزل سے گذرتا ہے - یہ ایک قسم کی ابتدائی زندگی ہے - اس ابتدائی زندگی میں انسان کیا کرتا ہے ؟ اس کی ضرورتیں اور تقاضے کیا ہیں؟ اور اس منزل کی انتہا کیا ہے ؟ شاہ صاحب اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے انسانی گروہوں میں زبان کی ضرورت کی نشاندھی کرتے ہیں- ان کے نزدیک زبان ہی کے ذریعے انسان اپنا مافی الضمیر بیان کرتا ہے - اور دوسرے انسانوں سے قرب کا ذریعہ پیدا کرتا ہے(۲۴) - اس کے بعد شاہ صاحب انسان کی ضرورتوں و تقاضوں کو بالترتیب بیان کرتے ہوئے درج ذیل باتوں کا تذکرہ کرتے ہیں :-

"۱ - کھیتی باڑی ، ۲- درخت لگانا، ۳ - کنویں کھودنا، ۴- کھانا پکانا، ۵-رکن سازی، ۶- مشکیں بنانا، ۷ - جانوروں کو مسخر کر کے مال برداری کے کام لانا، ۸- جانوروں کا گوشت، چمڑے ، بالوں، اون، اور

دودھ سے فائدہ اٹھانا، ۹- لین دین و تعاون کرنا[۲۵]، اور پھر اس منزل کی انتہا کا ذکر کرتے ہیں - یہ وہی انتہا ہے جسے ہابس نے پہلے معاہدہ عمرانی کا سبب بتایا ہے - شاہ صاحب کے نزدیک اس منزل پر صائب ترین رائے اور قوی ترین گرفت کا مالک آدمی کھڑا ہو کر دوسروں کو ماتحت کر لیتا ہے - یعنی سردار بن کر سب کو درست کر لیتا ہے - یا کوئی مسلمہ ضابطہ بن جائے، جس سے منفی کام روکے جا سکیں"[۲۶]۔

ارتفاق دوم :-

ارتفاق دوم کی وضاحت سے پہلے شاہ صاحب نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ارتفاق دوم میں داخلے کی شرط اور ارتفاق اول کے تجربات و ضروریات کو بھرپور طریقے سے مدنظر رکھنا ہے - وہ لکھتے ہیں :-

"اس میں ضابطہ یہ ہے کہ ارتفاق اول کو ہر معاملہ میں تجربہ صحیحہ پر رکھا جائے ، پھر جو صورتیں نقصان سے بعید اور فائدہ کے قریب ہوں، انہیں لیا جائے اور ان کے سوا باقی (مضر صورتوں) کو چھوڑ دیا جائے اور اس طرح ارتفاق اول کو اعلی اخلاقیات پر پرکھا جائے جو کہ جبلّی طور پر کامل المزاج لوگوں کو حاصل ہیں"[۲۷]۔

ارتفاق دوم کو شاہ صاحب نے تین عنوانات (۱) معاشی آداب کا فن، (۲) تدبیر منزل ، (۳) فن معاملات کے تحت بیان کیا ہے - ارتفاقات کی بحث میں شاہ صاحب کے نزدیک یہ درجہ انسانی معاشرت کا انتہائی اہم درجہ معلوم ہوتا ہے - ارتفاق اول گویا تہذیب وتمدن کی بنیاد ہے - ارتفاق دوم کسی قوم کے لئے تہذیب و تمدن کا اصل معرکہ ہے - یہیں اس کی تشکیل ہوتی ہے -

۱- معاشی آداب کا فن، کے تحت انسان کی بنیادی فطری ضرورتوں کی نشاندہی کے ساتھ ان کے حصول کے لئے ایک نظم ، سلیقے اور کردار کو ضروری قرار دیتے ہیں - جس سے اس حقیقت کو بھی تقویت ملتی ہے -کہ نتائج نظم و تنظیم سے وابستہ ہیں ، وہ لکھتے ہیں :-

"اس فن کے اہم ترین مسائل یہ ہیں - کھانے ، پینے ، چلنے ، بیٹھنے ، سونے، سفر، خلوت، جماع ، لباس، رہائش، نظافت، زینت، باہمی کلام کے آداب ، آفات و امراض میں دوائیں استعمال کرنے اور دم جھاڑ کرانے کے آداب، اجتماعی حوادث آنے سے پہلے پیش بندی کرنے ، ولادت، نکاح، عید، اور مسافر وغیرہ کے آنے کے وقت دعوتیں اور ولیمے کر کے خوشی منانے کے آداب، مصائب کے وقت ماتم کرنے، بیماروں کی تیمارداری کرنے اور مردوں کو دفن کرنے کے آداب---(۲۸)"

شاہ صاحب کے نزدیک صحیح المزاج افراد سلیقے اور نظم کو پسند کرتے ہیں- یہ سلیقہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں چاہتے ہیں- ان کے نزدیک لوگوں میں یہ سلیقہ نوازی ایک کردار، ایک تہذیب و تمدن کا باعث بنتی ہے - مثلاً مردار کا گوشت، متعفن کھانا نہ کھایا جانا اور کھانا سلیقے اور آداب سے کھانا، بری باتوں سے اجتناب ، جن سے دوستوں میں نفرت پیدا ہو - شاہ صاحب لکھتے ہیں :-

"نظافت پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ بدن، لباس، اور مکان کو دو چیزوں سے پاک و صاف رکھا جائے ، (۱) وہ نجاستیں کہ جو بدبودار اور گندی ہیں، (۲) اس میل سے جو طبعی طور پر پیدا ہو جاتی ہے ، جیسے گند دہنی--- بغل اور زیر ناف اور جیسے کپڑوں کی میل اور مکان کا کوڑا کرکٹ"۔(۲۹)۔

لوگوں میں یہ سلیقہ نوازی ہی دراصل ان کی قومی تہذیب و تمدن قرار پاتی ہے - شاہ صاحب کے نزدیک کئی قسم کے مشترکہ اجتماعی مسائل تمام افراد اور اقوام کے ایک جیسے ہوتے ہیں - البتہ ان کے حل کرنے کے طریقے ہر قوم اپنے مزاج و عادات کے مطابق ایجاد کرتی ہے - یہی اختلاف مختلف قوموں کی تہذیب و تمدن میں فرق کا باعث بنتا ہے -

۲- "تدبیر منزل" کے تحت ایک معاشرت کے عائلی پہلو اور باہم دیگر استعداد و تعاون کے پہلو کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے - عائلی پہلو میں شاہ صاحب کے مطابق چار حصے ہیں - (۱) نکاح، (۲) ولادت، (۳) ملک ، (۴) صحبت[۳۰] - اس پہلو پر شاہ صاحب نے مثبت نتائج کے حصول کے لئے میاں ، بیوی ، بچوں، اور والدین کے رشتوں کو صلہ رحمی کی بنیاد پر ایک نظم و سلیقے سے انجام دینے پر زور دیا اور یہ باور کرایا کہ یہ پہلو ہر انسان کی فطرت کے مطابق ہے -

اس عنوان کے تحت شاہ صاحب نے انسانی معاشرت کے ایک اور پہلو کو بھی نمایاں کیا ہے جو انسانوں میں فطری تعاون کے جذبے پر مشتمل ہے - یہ تعاون مختلف استعدادوں کے مالک افراد، مختلف حاجات، آفات، بیماریوں اور مصائب میں ضروری ہے[۳۱] - عائلی اور استعداد و تعاون کے پہلو پر شاہ صاحب سلیقہ اور نظم کے حوالے سے اس عنوان کے آخر میں پندرہ نکات[۳۲] بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

> "چنانچہ تم لوگوں میں کوئی گروہ ایسا نہ پاؤ گے جو کہ ان ابواب کے اصولوں پر یقین نہ رکھتا ہو اور ان کو قائم کرنے کی جدوجہد نہ کرتا ہو، چاہے ان کے مذاہب مختلف ہوں اور ان کے علاقے دور دور ہوں" ۔[۳۳]

۳- "فن معاملات" ارتفاق دوم میں اس تیسرے عنوان کے تحت شاہ صاحب معاشرت کی اس سطح کو زیر بحث لاتے ہیں - جہاں انسان کی ترقی اور سعی انسانوں کے درمیان

لین دین، باہمی تعاون اور مختلف پیشے اور ہنر کے انتخاب کے نتیجے میں پیدا ہونے والے معاملات طے ہوتے ہیں - مختصراً اسے تجارتی نقطہ نظر سے خرید و فروخت کیا جا سکتا ہے اور حالات کی مناسبت سے کوئی ہنر یا پیشہ اختیار کرنا ہے - شاہ صاحب اس عنوان کا آغاز ان الفاظ سے کرتے ہیں :-

" یہ وہ حکمت ہے کہ جو ارتفاق ثانی کے مطابق باہمی تبادلہ کرنے، باہم تعاون کرنے اور اکساب و پیشہ جات کے طریقوں پر بحث کرتی ہے "(۳۴) -

آگے چل کر لکھتے ہیں :-

" چیز کا چیز سے تبادلہ ، یہ بیع (خرید و فروخت کہلاتا ہے) اور دوسرا چیز کا کسی منفعت سے تبادلہ کیا جائے ، اسے اجارہ (مزدوری) کہا جاتا ہے(۳۵) " -

گویا شاہ صاحب کے نزدیک ارتفاق دوم اقوام و معاشرت کی تشکیل کا فیصلہ کن میدان عمل ہے - اسی میدان میں کردار و عمل کی بنیاد پر کامیابی اور ناکامی کی منازل طے پا جاتی ہیں - شاہ صاحب نے انسانی فطرت کے تمام پوشیدہ و ظاہر جوہر کی اس سطح پر نشاندہی کر کے انہیں مثبت و منفی راستوں پر لے جانے کے نتائج و عواقب سے آگاہ کیا ہے - موجودہ معاشرت کا جائزہ انہی افکار کے تناظر میں لے کر نئے معاہدہ عمرانی کی بنیادیں تلاش کی جا سکتی ہیں -

ارتفاق سوم :-

تہذیب و تمدن کی دوسری سطح پر پیدا ہونے والے معاملات و کشمکش کو مقاصد سے ہم آہنگ رکھنے کے لئے معاشرت ایک انتظامی و حکومتی تنظیم کی ضرورت محسوس کرتی ہے - ارتفاق اول ، انسان کی ابتدائی زندگی، جسے بدوی زندگی بھی کہا جا سکتا ہے ، انسان کی موجودہ

تہذیب و تمدن کی عمارت کا پہلا زینہ ہے - بدوی زندگی سے ترقی کر کے ایک شہری لوازمات کی زندگی کی سطح کو ارتفاق ثانی کہا جاتا ہے - اور جب بہت سے دیہات و شہر قائم ہوگئے ، تو ان کے درمیان معاملات کے لئے ارتفاق سوم یعنی نظام حکومت و سیاست کی ضرورت پڑی - شاہ ولی اللہ نے اسے (۱) سیاسیہ المدینۃ(۳۶) ، (۲) سیرت الملوک(۳۷) ، اور (۳) سیاست الاعوان(۳۸) کے عنوانات کے تحت بیان کیا ہے - ایک پورے حکومتی نظام کا خاکہ و نقشہ وضع کیا ہے -

(۱)- سیاست المدینہ کے تحت شاہ صاحب شہری زندگی کا مطلب مخصوص معنوں میں لیتے ہیں ، جن میں ترقی یافتہ دیہات ، قصبات و شہر شامل ہیں - وہ لکھتے ہیں :-

> " یہ وہ حکمت ہے کہ جو باشندگان شہر کے آپس کا ربط قائم رکھنے کے طریقوں پر بحث کرتی ہے اور شہر سے میری مراد وہ جماعت ہے کہ جو قریب قریب ہے اور ان کے درمیان معاملات چلتے ہیں - البتہ وہ جدا جدا مکانوں میں رہائش پذیر ہیں" -(۳۹)

اس ارتفاق ثالث کو انسان کی ابتدائی زندگی کے مثل قیاس کرتے ہیں - جسے عدم تحفظ نے انہیں ایک معاہدہ عمرانی پر مجبور کیا تھا - بعینہ شہری زندگی کے بھی ایسے ہی مسائل جنم لیتے ہیں - جب اہل شہر ایک معاہدہ عمرانی کی تشکیل پر مجبور ہوتے ہیں - اس نظریہ عمرانی کی بنیاد پر ایک پورا نظام حکومت تشکیل پاتا ہے - شاہ صاحب نے اسی درجے کے مفصل حالات حجۃ اللہ البالغہ " کے علاوہ اپنی دوسری کتب میں بھی بیان کئے ہیں - البدورالبازغہ میں شہری زندگی کے متعلق لکھتے ہیں :-

> " شہری زندگی سے مراد ایک خاص قسم کا رشتہ ، ربط اور باہمی تعلق ہے ، جو بہت سے خاندانوں اور جماعتوں کے ایک جگہ رہنے سے پیدا ہو جاتا ہے " -(۴۰)

تہذیب و تمدن کے اس مرحلے پر جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ، انہیں ایک معاہدہ عمرانی کے تحت ایک قوت مقتدرہ ہی دور کر سکتی ہے - یہی منشا ارتقاء تہذیب انسانیت ہے اور یہی فطری راستہ بھی ہے - شاہ صاحب سارے شہر کو ایک فرد کے مثل باور کرتے ہیں - جس میں بیماری اور بھرپور صحت ممکن ہے - اسی طرح شہر میں گروہ در گروہ لوگ بستے ہیں - اس لئے ایک ہی سنت عادلہ پر ان کا رہنا ممکن نہیں ہوتا اور ظلم و تعدی کو ایک ممتاز منصب کے بغیر روکنا بھی ممکن نہیں - وہ لکھتے ہیں :-

> " شہر کا انتظام صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ جمہور ارباب حل و عقد ایک آدمی کی اطاعت پر متفق ہو جائیں جو پر شوکت ہو اور اس کے اعوان (فوج) ہو " -(۴۱)

اس کے ساتھ شاہ صاحب نے شہری زندگی میں ان خرابیوں کے اسباب کا تذکرہ بھی کیا ہے ، جو آہستہ آہستہ بڑھ کر انسان کو عدم تحفظ سے دوچار کر دیتی ہیں - ان خرابیوں کی تفصیل بیان کرنا اس لئے بھی یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ موجودہ شہری خرابیوں کا موازنہ ان خرابیوں سے کرنے میں آسانی ہو جو زوال کا لازمی باعث بنتی ہیں - شاہ صاحب لکھتے ہیں :-

۱- شہری سیاست میں ایک خرابی اس وقت آتی ہے جب بعض شریر لوگ سنت عادلہ کو مسترد کر کے بزور طاقت بعض خواہشات مثلاً لوٹ مار، رہزنی، اور دوسرے کئے طریقوں سے لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں -

۲- خرابی کا ایک اور سبب ظالم آدمی کسی کو قتل، زخمی یا تشدد کا نشانہ بنائے ، یا اس کی بیوی ، بہوں اور بیٹیوں کو ناحق ستائے ، یا ان کا مال اعلانیہ یا خفیہ اٹھا لے ، یا اس کی عزت پر الزام تراشی کرے یا اس سے بدکلامی کرے -

۳- خرابی کا ایک اور سبب جادو، کھانے پینے میں زہر ملا دینا، لوگوں کو فساد کرنے کی تلقین کرنا، رعایا کو حاکم کے خلاف بھڑکانا، آقا کو غلام کے خلاف آمادہ کرنا اور بیوی کو خاوند کے خلاف اکسانا۔

۴- وہ انفرادی خرابیاں، جو انسان کو برائی کی عادت ڈال کر معاشرت پر اثرانداز ہوتی ہیں، ان میں لواطت، غلط مباشرت، جو فطرت سلیمہ سے ہٹا دیتی ہے اور ایک عورت سے چند آدمیوں کا زنا، شراب نوشی، جوا کھیلنا، سودی کاروبار، سود لینا، رشوت، ناپ تول میں کمی، سامان تجارت میں عیب کو مخفی رکھنا یا دھوکہ دینا، ذخیرہ اندوزی کرنا، خریدنے کی نیت کے بغیر بولی لگا دینا۔

۵- ایسے جھگڑوں و جعلسازیوں کا ظہور، جن میں شہادت، حلف، دستاویزات اور قرائن وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ مگر اس عمل میں اصل بات کی تلاش و تحقیق مشکل ہو جائے۔

۶- اور معاشرت شہر اس قدر انتشار و فساد کا شکار ہو جائے، جب لوگ وہاں سے ہجرت کر کے دوبارہ بدّوی زندگی کی طرف لوٹ جانے پر آمادہ ہو جائیں"۔(۴۲)

ان اخلاقی خرابیوں کے بیان کے بعد شاہ صاحب بعض دوسرے معاملات میں بگاڑ اور تبدیلی کی نشاندہی کرتے ہوئے ملک کے زوال میں ان خرابیوں کا مقام اور عدم توازن کا تعین کرتے ہوئے ان نتائج سے بحث کرتے ہیں جو اس صورت میں پیدا ہو جاتے ہیں - ان کے نزدیک معاشرت کی ایسی سطح پر :-

۱- لوگ تنگ آکر ملک سے ہجرت کر جائیں

۲- یا لوگ ایک پیشہ پر زیادہ زور دیں اور دوسرے کو چھوڑ دیں، جیسے تجارت شروع کر دیں اور زراعت چھوڑ دیں۔

۴ - یا زیادہ لوگ فوج میں بھرتی ہو جائیں(۴۳)۔

(۲)- ایک معاشرت میں فساد کی عمومی بنیادوں کی نشاندہی کے بعد شاہ صاحب نے "بادشاہوں کی سیرت" بیان کی ہے - اس لئے کہ ان کے نزدیک ملک کے بادشاہ کا کردار و عمل ملک کے بنانے اور بگاڑنے میں فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے - ایک ملک کے نظام حکومت کی نقشہ گری میں بادشاہ کا مرکزی کردار ہے - شاہ صاحب نے حکمران کی خصوصیات و کردار کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے -

۱ - حکمران کے لئے اعلی اخلاقی صفتوں کا حامل ہونا ضروری ہے ورنہ وہ لوگوں پر بار بن جائے گا-

۲ - حکمران کا دلیر ہونا ضروری ہے ورنہ بزدل حکمران کو عوام حقارت سے دیکھنا شروع کر دیتے ہیں -

۳ - حکمران کا بردبار ہونا ضروری ہے ورنہ وہ لوگوں کو کچل ڈالے گا-

۴ - حکمران حکیم و دانشور ہو، تاکہ بروقت اصلاحی تدابیر کو بروئے کار لا سکے-

۵ - حکمران عقل مند، بالغ ، آزاد اور مذکر ہو -

۶ - صائب الرائے ، شنو ، بینا اور گویائی کا مالک ہو -

۷ - لوگوں میں باوقار ہو -

۸ - ایک مسلمہ دیانت دار خاندان سے تعلق رکھتا ہو تاکہ لوگ اعتماد کر سکیں-

۹ - کہیں معاملات میں افراط و تفریط ہو ، تو لطف و احسان کے ساتھ اس کا تدارک کرے -

۱۰ - نافرمانی کرنے والوں کو اطاعت پر مجبور کریں -

۱۱- احسن کام کرنے والوں کو انعام اور غلط کام کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کریں -

۱۲- حکمران خود دولت کمانے کے چکر میں نہ ہو ، آسودہ حال ہو -

۱۳- فہم و فراست ایسی ہو کہ وہ لوگوں کی محسوسات کو جلدی جان لے -

۱۴- مملکت کے امور میں سستی نہ کرے -

۱۵- باغی قوتوں کو موقع نہ دے ، فوراً ان کی قوت توڑ دے(۴۴) -

(۴) - سیاست اعوان و انصار کے تحت شاہ صاحب حکومت کی تنظیم کا ڈھانچہ تشکیل دینے پر زور دیتے ہیں ، کیونکہ ان کے نزدیک اکیلے حکمران سارے کام احسن طریقے سے انجام نہیں دے سکتا - وہ حکمران کے ان مددگاروں یعنی حکومتی تنظیم کے ارکان کی بعض ضروری شرائط کی نشاندہی کرتے ہیں - جن میں لازمی طور پر حکمران کی اطاعت و فرمابرداری ، حکم بجا لانے کی اہلیت رکھتے ہوں - رشتہ داروں کو مناصب سے دور رکھے - اچھے دوستوں کا انتخاب کرے ، خصوصاً حکمران فوج کی بہتر تنظیم پر توجہ دے - حکمران اپنے معاونین سوچ سمجھ کر بھرتی کرے - شاہ صاحب کے نزدیک ان کی تعداد کی کوئی حد نہیں ہے - البتہ انھوں نے حکومت کے ڈھانچے کے لئے پانچ مرکزی معاون (اداروں) کو ضروری قرار دیا ہے -

۱ - قاضی - جو عدالتی نظام کا سربراہ ہو -

۲ - امیر لشکر - جو افواج کا سربراہ ہو -

۳ - ناظم شہر - جو انتظامی معاملات کا سربراہ ہو -

۴ - عامل - بیت المال کا سربراہ ہو -

۵ - وکیل - جو بادشاہ کا نائب یا معاون ہو(۴۵) -

گویا ارتفاق سوم کے تحت شاہ صاحب نے کسی ملک یا معاشرت کی سیاسی تنظیم کا نقشہ فراہم کیا ہے اور کم و بیش یہی ادارے آج بھی کسی مملکت کی بنیاد ہیں -

ارتفاق رابع :-

شاہ صاحب معاشرت کے تین مرحلوں کی نشاندھی کے بعد آخری مرحلے ارتفاق رابع کے تحت بیان کرتے ہیں :-

" یہ وہ حکمت ہے کہ جو شہروں کے حکام اور بادشاہ کی سیاست اور مختلف ممالک کے لوگوں کے باہمی روابط سے بحث کرتی ہے "(۴۶) -

ارتفاق سوم کی سطح پر مختلف شہر (ممالک) کے درمیان پیدا ہونے والے تنازعات کو حل کرنے کے لئے شاہ صاحب معاشرت کے اس آخری مرحلے پر " خلیفہ " کا تصور دیتے ہیں - دوسرے لفظوں میں خود مختار مملکت کی صورت میں مختلف اکائیوں کے درمیان تنازعات کو حل کرنے کے لئے ایک ایسی قوت کی اہمیت کی عملی تشکیل کو ضروری خیال کرتے ہیں - وہ اس تصور کی عملی صورت کا یوں اظہار کرتے ہیں :-

" بادشاہوں میں یہ مرض (حسد، لالچ، جنگ و جدال) بڑھ گیا تو مجبور ہوئے کہ ایک خلیفہ چن لیں - خلیفہ وہ ہوتا ہے کہ جس کے پاس اس قدر افواج اور اسلحہ ہو کہ دوسرا آدمی اس سے ملک چھین لینا ناممکن سمجھے "(۴۷)-

شاہ صاحب نے اس سطح پر ایک سے زائد مسلم ممالک ، جو مختلف انداز و جدوجہد سے مختلف خطوں میں آزاد اکائیوں کی صورت میں ظہور پذیر ہو جائیں انہیں ایک مقصد و منزل سے منسلک رکھنے کے لئے خلیفہ کا تصور دیا ہے - ان کے مطابق یہ خلیفہ از خود نہیں بنے گا بلکہ تمام ممالک کے بادشاہ (حکمران) آپس میں اتفاق رائے سے منتخب کریں گے اور اسے اتنے اختیارات دیں گے جس سے وہ مطلوبہ مقصد حاصل کرنے میں آسانی سمجھے -

بین الاقوامی پہلو کے حوالے سے یہی خلیفہ امت مسلمہ کی طرف سے دنیا کے دوسرے حکمرانوں سے معاملات کر سکتا ہے - شاہ صاحب نے خلیفہ کے اختیارات اور اس کے مقام کی بھی مکمل توضیح کی ہے(۴۸) -

فلسفہ ارتفاقات کے تحت معاشرت کی ان چاروں منزلوں کا حکیمانہ انداز میں جائزہ لینے کے بعد وہ اس بات کی بھی تصریح کرتے ہیں کہ کسی منزل ارتفاق پر بحران جنم لے ، تو معاشرت کے ارتقاء کو جاری رکھنے کے لئے ایسے موقع پر کیا لائحہ عمل اختیار کیا جا سکتا ہے- وہ لکھتے ہیں :-

> "یعنی جب کسی اجتماع انسانی کا بین الاقوامی نظام (ارتفاق چہارم) ٹوٹ جائے تو لوگوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ بین الاقوامی نظام کی روح کو قائم رکھتے ہوئے اور اس ارتفاق کی عادلانہ باتوں پر پوری طرح قبضہ رکھتے ہوئے ارتفاق سوم کو مضبوطی سے تھامے رکھے---ایسے ہی اگر ارتفاق سوم سے گر جائے تو بالترتیب یہی عمل پہلے ارتفاق تک رکھے--- مگر فساد کی جڑ یہ ہے کہ لوگ ارتفاق کے تمام درجوں کا علم بھول جاتے ہیں اور فقط ایک ہی درجے پر جمود اختیار کر لیتے ہیں"-(۴۹)

افکار شاہ ولی اللہ سے اخذ بنیادی نکات :

۱- ایک کامل معاشرہ انسانی نصب العین ہے ، اسے وہ " ملت قصوی" کا نام دیتے ہیں -

۲- معاشرت اور اجتماعی زندگی کی اصل و منبع انسان کے فطری میلانات ہیں-

۳- کامل معاشرہ کی بنیادی خصوصیات پاکیزگی ، خشوع و خصوع ، ضبط نفس اور عدالت ہے -

۴- کسی بھی " نئے معاہدہ عمرانی" کی بنیاد میں " زبان" کا تعین لازمی ہے -

۵ - زندگی کے ہر شعبے و پہلو میں سلیقہ نوازی ہی تہذیب و تمدن کی نمو کا باعث بنتی ہے -

۶ - انسانی معاشرت کی ابتداء بدوی زندگی ہے -

۷ - انسانی معاشرت کی دوسری منزل انسانی کردار و اقدار کی تشکیل و نمو ہے-

۸ - انسانی معاشرت کی تیسری منزل مملکت کی حکومتی، سیاسی اور انتظامی تنظیم سازی ہے -

۹ - انسانی معاشرت کی چوتھی منزل بین الاقوامی و بین الانسانی نظام و تنظیم کی تشکیل ہے -

۱۰ - کسی بھی منزل پر نظام کے منتشر ہونے کی صورت میں متبادل لائحہ عمل کی نشاندہی کرتے ہیں -

خلاصہ بحث :-

شاہ ولی اللہ نے انتہائی حکیمانہ انداز میں معاشرت کی ابتداء ، اس کی تشکیل کے عوامل و عناصر اور پھر سیاسی و حکومتی تنظیم کے خدوخال اور بین الاقوامی زندگی میں اس ارتقاء کو جاری رکھنے کی شرائط بیان کی ہیں - دوران مطالعہ بہت کم موقعوں پر یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم اٹھارویں صدی کے ایک صوفی و ماہر عمرانیات کے افکار کا مطالعہ کر رہے ہیں - ایسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہماری موجودہ معاشرت کا نقشہ کھینچ رہے ہیں - معاشرت کی خرابی میں جن چھ اسباب کا تذکرہ انھوں نے بطور اصول کیا ہے ، وہ چھ کے چھ اصول ہماری موجودہ معاشرت کا ایک لازمہ بن چکے ہیں - اسی لئے شائد علامہ محمد اقبال نے بھی عصر حاضر کے مسلمانوں کو مطالعہ شاہ ولی اللہ پر زور دیا تھا-

جو چیلنج شاہ ولی اللہ کو اٹھارویں صدی میں مسلم معاشرت اور سیاست و حکومت کی تشکیل نو کا درپیش تھا - آج وہی چیلنج برصغیر پاک و ہند خصوصاً پاکستانی معاشرت کو شدید طور پر درپیش ہے - تشکیل نو کا یہ بیڑا اس وقت تو شاہ ولی اللہ نے اٹھا لیا تھا - جبکہ اس وقت سب سے اہم مسئلہ یہ درپیش ہے کہ نیا شاہ ولی اللہ کون ہو ؟ پاکستان کی موجودہ سیاست کا نتیجہ یعنی برسراقتدار اور اپوزیشن راہنما بھی برملا اس کا اظہار کر چکے ہیں کہ معاشرت کی تشکیل جدید کا وقت آن پہنچا ہے - گویا نئے معاہدہ عمرانی کی ابتدائی شرط کے مطابق یہ احساس جنم لے چکا ہے کہ تحفظ حیات و ذات کے لئے موجودہ معاشرتی ، سیاسی اور معاشی ہیئت بدلنا ٹھہر گیا ہے - اس لئے کہ معاشرے کے اندر سے اصلاحی نقطہ نظر سے اٹھنے والی قوتیں بھی بے بس ہو کر تحفظ حیات و آبرو کے لئے دعائیں مانگ رہی ہیں - اب سوال یہ درپیش ہے کہ موجودہ معاشرت اور اس پر قابض و حاوی قوتوں کی موجودگی میں معاشرت کی از سر نو تشکیل کا بیڑا کون اور کیسے اٹھائے - شاہ صاحب کے مراتب ارتفاقات کے تحت ہم ابتدائی منزل یعنی بدوی سطح پر واپس پہنچ چکے ہیں - اس لئے کہ انسانیت سے گر کر وہ چھوٹے چھوٹے مقاصد اور تضادات اسی طرح دوبارہ جنم لے چکے ہیں جو اس وقت تھے - اعلیٰ و ارفع سوچ مٹ چکی ہے - یہ ایک گھمبیر صورت حال ہے - اب اس موڑ پر ضرورت اس امر کی ہے کہ بدوی سطح پر عدم تحفظ حیات و ذات کے مفروضے پر خود پیروی کے عوامی رجحانات کو ایک باعتماد قوت کے حق میں دستبردار ہونے کا جذبہ ابھارا جائے - جہاں تک قوت کا سوال ہے- یہ قوت اس وقت کسی شخص کے پاس ہے اور نہ موجودہ پارلیمنٹ اور دوسرے ریاستی اداروں کے پاس ہے - اس لئے کہ موجودہ مقتدر ادارے اور مقتدر شخصیتیں ہی اس زوال کا باعث ہیں اور تاریخ کے اس نازک دوراہے پر برصغیر پاک و ہند خصوصاً پاکستان میں ایسی کوئی زندہ سحر انگیز شخصیت بھی نہیں جو معاشرت کو بدوی سطح سے اٹھانے کے لئے مطلوبہ راہنمائی اور مطلوبہ عوامی حمایت حاصل کر سکے - رہبری و راہنمائی ایسا فریضہ بھی نہیں ، جو ہر کوئی نبھا سکے - ایک نئی قوت اور نئے ادارے کی تشکیل کے بغیر معاشرت کی تشکیل نو کا عمل شروع نہیں کیا جا سکتا - نئی قوت و نیا ادارہ فکر اقبال کے مطابق اہل دانش و فکر (مجتہد) حضرات کی پارلیمنٹ

ہی ہو سکتی ہے جو اس وقت سرے سے ناپید ہے - موجودہ پارلیمنٹ کے انتخاب کا عمل چونکہ معاشرت کا وہ نظام ہے، جو معاشرت کو زوال سے نہیں بچا سکا- اس لئے اسے اہل دانش کے متبادل متصور نہیں کیا جا سکتا اور عملی لحاظ سے اس کے نتائج بھی آشکارا ہو چکے ہیں- رہبری و راہنمائی اہل دانش و فکر ہی کا وصف ہے - اس لئے انہی کو آگے بڑھنا ہوگا، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ اور علامہ اقبال برصغیر پاک و ہند کے ایسے فکری راہنما ہیں، جن کی فکر پر جمہور مسلم اعتماد کرتے ہیں - اہل دانش و فکر کی پارلیمنٹ ان راہنماؤں کے افکار کو بنیاد بنا کر ایک نئے معاہدہ عمرانی یا سماجی نمو کی تنظیم قائم کرنے کا فریضہ سرانجام دے سکتے ہیں اور ایسا نظام کار وضع کریں جو مثبت نتائج کے حاصل ہو کر رہنے کی ضمانت دے سکے - یہ صحیح ہے کہ اس وقت معاشرت پر قابض عناصر اہل دانش و فکر کو بے اثر کر کے ریاستی اداروں کے لبادے میں اور قومی سالمیت کے تحفظ اور اسلام کے نعرے کے بل بوتے پر پیروی و وفاداری کو عین تقاضہ وقت قرار دے رہے ہیں - تحفظ پاکستان اور نفاذ اسلام کی عملی صورت نصف صدی بعد آشکارا ہو چکی ہے، اس لئے یہ طے ہے کہ تبدیلی بہر حال دانش و فکر سے جنم لیتی ہے - اس لئے اسی نقطے پر توجہ مبذول کرنے کی ضرورت ہے -

حوالہ جات و حواشی

۱- ہابس "لیویا تھان" باب اول میں اس نے اس موضوع پر بحث کی ہے -

۲- اقبال ریویو - جنوری ۱۹۷۰ء، ص ۸۳

۳- شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ" اردو ترجمہ مولانا محمد منظور الوجیدی - شیخ غلام علی لاہور- ص ۱۱، اس مطالعے میں مذکورہ ایڈیشن پیش نظر رہا ہے-

۴- محمود احمد برکاتی "شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان"

۵- اشتیاق حسین قریشی "برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ" ترجمہ - ہلال احمد زبیری - کراچی یونیورسٹی - اشاعت چہارم ۱۹۸۹ء، ص ۲۱۱

۶- ایضاً، ص ۲۰۹

۷- ایضاً، ص ۲۱۰

۸- ایضاً، ص ۲۱۱

۹- ایضاً، ص ۲۱۱

۱۰- پروفیسر عزیز احمد "برصغیر میں اسلامی کلچر" ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی - ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور - طبع اول ۱۹۹۰ء، ص ۳۱۰

۱۱- اشتیاق حسین قریشی "برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ"، ص ۲۲۹

۱۲- حجۃ اللہ البالغہ، ص ۲۰۹

۱۳- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور - جلد ۱/۱۴، ص ۴۹۴

۱۴- حجۃ اللہ البالغہ، ص ۱۱۲ - ۱۱۱

۱۵- ایضاً، ص ۱۲۱

۱۶- حجۃ اللہ البالغہ، ص ۱۳۳

۱۷- پروفیسر عزیز احمد "برصغیر میں اسلامی کلچر" ص ۳۱۵

۱۸- پروفیسر محمد سرور "ارمغان شاہ ولی اللہ" ادارہ ثقافت اسلامیہ - ۱۹۸۶ء ص ۳۶۸

۱۹- بشیر احمد "شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ عمرانیات و معاشیات" مکتبہ بیت الحکمت لاہور ۱۹۴۵ء، ص ۵۲-۵۱

۲۰- ایضاً، ص ۵۸

۲۱- یاد رہے ڈارون نے اپنا معروف نظریہ ارتقاء ۱۸۵۹ء میں پیش کیا تھا - جبکہ شاہ ولی اللہ اس پر گراں قدر خیالات کا اظہار ایک صدی قبل منظم انداز سے پیش کر چکے تھے -

۲۲- شمس الرحمان محسنی "شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریئے" سندھ ساگر اکادمی لاہور - ۱۹۴۶ء، ص ۵۹

۲۳- حجۃ اللہ البالغہ، ص ۱۱۰

۲۴- ایضاً، ص ۱۱۳

۲۵- ایضاً، ص ۱۱۴-۱۱۳

۲۶- ایضاً، ص ۱۱۴

۲۷- ایضاً، ص ۱۱۵

۲۸- ایضاً

۲۹- ایضاً، ص ۱۱٦
۳۰- ایضاً، ص ۱۱۷
۳۱- ایضاً، ص ۱۱۹
۳۲- ایضاً، ص ۱۲۰
۳۳- ایضاً، ص ۱۲۰
۳۴- حجۃ اللہ البالغہ، ص ۱۲۰
۳۵- ایضاً، ص ۱۲۲
۳٦- ایضاً، ص ۱۲۲
۳۷- ایضاً، ص ۱۲۵
۳۸- ایضاً، ص ۱۲۸
۳۹- ایضاً، ص ۱۲۲
۴۰- شاہ ولی اللہ "البدور البازغہ"، ص ۳۹
۴۱- حجۃ اللہ البالغہ، ص ۱۲۳
۴۲- ایضاً، ص ۱۲۴
۴۳- ایضاً، ص ۱۲۴
۴۴- ایضاً، ص ۱۲۷
۴۵- ایضاً، ص ۱۳۰
۴٦- ایضاً
۴۷- ایضاً، ص ۱۳۱
۴۸- ایضاً، ص ۱۳۳-۱۳۲
۴۹- البدور البازغہ، ص ۸۹-۹۰

☆☆☆